پروفیسر فتح محمد ملک

ٹوبہ ٹیک سنگھ، ایک نئی تعبیر

سعادت حسن منٹو عمر بھر اپنے فن کو کسی سیاسی آئیڈیالوجی کی تبلیغ اور تشہیر کا ذریعہ بنانے سے گریزاں رہے۔ انھیں کسی خاص سیاسی مکتبِ فکر کا پراپیگنڈہ کرنا کبھی گوارا نہ ہوا۔ وہ ہمیشہ ادب میں نظریاتی آمریت سے بغاوت کے راستے پر گامزن رہے۔ اپنے بیشتر معاصرین کے برعکس وہ عمر بھر نظریات کی بجائے تجربات اور رسمیات کی بجائے مشاہدات سے پھوٹنے والی دانش کے موتی رولنے میں منہمک رہے۔ مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ اُن کے اِس دُنیا سے اُٹھ جانے کے بعد یار لوگوں نے اُن کی تخلیقات کو سیاسی پراپیگنڈے کے طور پر استعمال کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کی۔ اُن کے ایک شاہکار افسانہ بعنوان ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' سے اشتراکیت پسند اور وطنیت پرست، ہر دو گروہوں نے اپنے اپنے سیاسی پروگرام کی تشہیر کا سامان کیا ہے۔ اِن لوگوں نے اس افسانے کی تہ در تہ معنویت کو سمجھنے کی بجائے اسے اپنا پسندیدہ مفہوم پہنانے کی کوشش کی ہے۔ یہ مفہوم افسانے کے اندر سے برآمد نہیں ہوتا بلکہ ایک درآمد شدہ قبا کی مانند پہنا دیا گیا ہے۔

معروف مارکسی دانشور طارق علی نے اس افسانے کو قیامِ پاکستان کے ''جرم'' کے خلاف صدائے احتجاج سے تعبیر کیا ہے۔ اپنی کتاب The Clash of Fundamentalisms (امریکہ، ۲۰۰۲ء) میں منٹو کو اپنا ہم خیال ثابت کرنے کی دھن میں رقم طراز ہیں:۔

"The price of separation was high. Saadat Hasan Manto, one of the most gifted Urdu writers of the subcontinent, wrote a four-page masterpiece entitled

'Toba Tek Singh', set in the lunatic asylum in Lahore at the time of Partition. When whole cities are being ethnically cleansed, how can the asylums escape? The Hindu and Sikh lunatics are told that they will be transferred to institutions in India. The inmates rebel. They hug each other and weep. They have to be forced on to the trucks waiting to transport them to India. One of them, a Sikh, is so overcome by rage that when the border is reached, he refuses to move and dies on the demarcation line which divides the new Pakistan from old India. When the real world is overcome by insanity normality only exists in the asylum. The lunatics have a better understanding of the crime that is being perpetrated than the politicians who agreed to it." (p.10)

بارہ برس پیشتر طارق علی نے سعادت حسن منٹو کی اُناسویں (79) برسی کے موقع پر بی بی سی ٹیلیویژن کے لیے ''وژن'' کے عنوان سے اپنے ڈرامے میں منٹو کے اس افسانے کو اسی انداز میں پیش کیا تھا۔ نہ اُس وقت طارق علی کا ''وژن'' اس افسانے سے پھوٹا تھا اور نہ اُن کی نئی کتاب سے لیے گئے درج بالا اقتباس میں منٹو کے ''وژن'' کی درست ترجمانی کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کا موضوع برطانوی ہند کی تقسیم ہے اور نہ ہی یہ افسانہ فسادات کے پس منظر میں لکھا گیا تھا۔ یہ افسانہ اُس وقت لکھا گیا تھا جب چند برس پہلے بھڑک اُٹھنے والی فسادات کی آگ ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ طارق علی نے اِن فسادات کو نسل کشی کی مہم سے تعبیر کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ اِن فسادات کا محرک

Scanned by CamScanner

ethnic cleansing ہرگز نہ تھا۔ یہ تو مذہبی جنون کی کارستانی تھی۔ سکھ جاٹ مسلمان جاٹ کا خون بہانے میں مصروف تھا تو مسلمان جنجوعہ ہندو جنجوعے کا گھر برباد کرنے کے جنون میں مبتلا تھا۔ انتظامیہ کے سربراہ انگریز (لارڈ ماؤنٹ بیٹن)، وزیرِ دفاع سکھ (سردار بلدیو سنگھ) اور وزیرِ داخلہ ہندو (سردار پٹیل) تھے۔ مخصوص مفادات کے یہ سب نمائندے برطانوی ہند کی تقسیم کے خلاف تھے اور فسادات کو ہوا دینے میں مصروف تھے۔ اس لیے کہ برطانوی سنگینوں کے بل پر برصغیر کی سامراجی وحدت کی تقسیم سے مسلمان قوم کی نظریاتی مملکت وجود میں آ رہی تھی۔ یہ نظریاتی تقسیم اُوپر سے مسلط کی ہوئی تقسیم نہ تھی بلکہ عام انتخابات میں اسلامیانِ ہند کی اجتماعی رائے کا ناگزیر نتیجہ تھی۔ یہ ایک ملک کی تقسیم نہیں تھی بلکہ برطانوی سلطنت میں مقید متعدد قوموں میں سے دو بڑی قوموں کی آزادی اور خودمختاری کی خاطر سلطنتِ برطانیہ کی تقسیم تھی۔ برصغیر آسٹرو ہنگیرین ایمپائر کی مانند ایک برطانوی سلطنت تھا۔ جب آسٹرو ہنگیرین ایمپائر ٹوٹی تھی تو یورپ میں متعدد قومی ریاستیں وجود میں آئی تھیں۔ اِن آزاد اور خودمختار ریاستوں کے لیے ایمپائر کا ٹوٹنا ماتم کی گھڑی نہ تھی بلکہ طلوعِ آزادی کا سماں تھا۔ چند برس پیشتر سوویٹ سوشلسٹ ایمپائر ٹوٹی تو یورپ اور وسطِ ایشیا میں درجنوں آزاد اور خودمختار قومی ریاستیں وجود میں آئیں۔ اِن ریاستوں کا نیا وجود بھی خوش آئند ہے۔ اسی طرح سے برٹش انڈین ایمپائر کی ٹوٹ پھوٹ سے پہلے برما اور پھر پاکستان کی آزاد ریاستوں کا قیام بھی قوموں کے حق خوداختیاری کا عملی ظہور ہے۔ قیامِ پاکستان کا خیر مقدم کرنے کی بجائے برصغیر کی تقسیم کا واویلا برصغیر کے اشتراکیت پسندوں اور وطنیت پرستوں کی خاص ادا ہے۔ ایک ایسی ادا جس پر اگر وہ خود غور فرمانے کے لیے تھوڑا سا وقت نکال لیں تو اشتراکیت اور وطنیت کے سچے ہوا خواہوں کے لیے مفید رہے گا۔

طارق علی نے اوپر دیئے گئے اقتباس کی آخری سطر میں تقسیمِ ہند یا زیادہ موزوں لفظوں میں قیامِ پاکستان کو جرم قرار دیا ہے۔ اگر عظیم اشتراکی رہنما موسیو لینن آج زندہ

Scanned by CamScanner

ہوتے تو میں طارق علی کو اُن کے پاس لے جاتا اور پھر سوویت یونین کے اس پہلے سربراہ سے پوچھتا کہ کیا قوموں کے حق خود اختیاری کا مطالبہ جرم ہے؟ کیا قوموں کے اسی مسلمہ حق خود اختیاری کی بنیاد پر وجود میں آنے والا پاکستان ''اجتماعی پاگل پن'' کا نتیجہ ہے یا عوام کی اجتماعی دانش کی کارفرمائی کا لاثانی شاہکار ہے؟ مجھے یقین ہے کہ موسیو لینن طارق علی کی خوب سرزنش فرماتے ہوئے انہیں قوموں کے حق خود اختیاری کے حق میں کی گئی اپنی نظریہ سازی کو بغور پڑھنے اور بخوبی سمجھنے کی تلقین فرماتے۔

وارث علوی میرے پسندیدہ ادبی نقادوں میں سے ایک ہیں۔ اپنی کتاب ''منٹو..... ایک مطالعہ'' میں انھوں نے ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کا جو مطالعہ پیش کیا ہے اُسے پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا ہے کہ کبھی کبھار اشتراکیت بیزار اور اشتراکیت پسند دانشور ایک دوسرے سے کاملاً متفق بھی ہو سکتے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

> ''ملک کے تقسیم ہوتے ہی بشن سنگھ جس پاگل خانہ میں تھا اس کے باہر بھی ایک بڑا پاگل خانہ کھل گیا تھا۔ اس پاگل خانہ کی تعمیر ملک کے ہوش مند سیاست دانوں کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ رات کی رات جغرافیہ بدل گیا۔ روابط اور وابستگیاں بدل گئیں اور لوگ بہ تمام ہوش مندی ایک ملک سے دوسرے ملک ہجرت کرنے لگے۔ یہ ایک اجتماعی پاگل پن تھا جس کی مضحکہ خیز صورتیں ابھی سامنے آنے بھی نہ پائی تھیں کہ جڑوں سے اُکھڑنے کے کرب پر ہولناک فسادات کی تاریکیاں چھانے لگیں۔ جب انسانوں کے جنگل کے جنگل کاٹ دیے جائیں تو بے جڑی کا نوحہ بھی بے وقت کی راگنی معلوم ہوتا ہے۔''

یہاں میں وارث علوی اور طارق علی کی سوچ میں حیرت انگیز یکسانیت پر حیران

Scanned by CamScanner

ہوں۔علوی صاحب بھی برصغیر پر مشتمل برطانوی سلطنت کے ٹوٹنے پر نوحہ کناں ہیں۔وہ بھی عوام اور اُن کے سیاسی قائدین کو پاگل قرار دیتے ہیں۔انھیں بھی جغرافیہ بدل جانے کا غم ہے۔حالانکہ برٹش انڈیا کی سامراجی وحدت کے ٹوٹنے اور اُس کے اندر سے دو قوموں کی آزاد قومی ریاستوں کا قیام نویدِ مسرت ہے۔یہ قومیں اپنی اپنی اکثریت کے جن جغرافیائی خطوں میں آباد تھیں وہی خطے استعماری چنگل سے آزاد ہو گئے تھے۔اگر جغرافیے میں یہ تبدیلی واقع ہوگئی تھی تو یہ ایک انتہائی خوش آئند تبدیلی تھی۔اس پہ رونے دھونے اور فساد برپا کرنے کی ضرورت تو صرف استعمار پرستوں کو پیش آنا چاہیے تھی۔آزادی اور خودمختاری کے شیدائیوں کے لیے تو پاکستان کا قیامِ فخر ومسرت کا مقام ہے۔''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کے حوالے سے وارث علوی نے یہ کہہ کر کہ ''لاہور کا یہ پاگل خانہ باہر کی دُنیا کے پاگل خانے کی علامت نہیں ہے بلکہ اسی کا ایک روپ ہے'' اُس ناقدانہ بصیرت کا ثبوت نہیں دیا جس کی اُن سے بجا طور پر توقع کی جاتی ہے۔لاہور کا یہ پاگل خانہ صرف اور صرف اس لیے پاگل خانہ کہلاتا ہے کہ اس کے مکینوں کے باہر کی دنیا سے تمام تر ذہنی اور جذباتی رابطے منقطع ہو کر رہ گئے تھے۔انھیں اس کی کوئی خبر نہ تھی کہ پاگل خانے سے باہر کی دنیا میں کب سے، کیا کیا ہنگامے بپا تھے؟

منٹو کے اس افسانے کا موضوع نہ تو تقسیم ہے اور نہ ہی فسادات۔اس شاہکار کہانی کا موضوع ہے حافظے کی گمشدگی اور تخیل کی موت۔اس باب میں منٹو کا ذہنی تجسس اُسے اس حقیقت کا شعور بخشتا ہے کہ جب انسان کا حافظہ گم ہو جاتا ہے اور تخیل چھن جاتا ہے، وہ ماضی کو فراموش کر بیٹھتا ہے، حال سے بے خبر ہو کر رہ جاتا ہے اور مستقبل کا کوئی تصور ہی قائم نہیں کر سکتا تب وہ آدمیت کے بلند مقام سے گر کر نباتات اور جمادات کی دنیا کو لوٹ جاتا ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے ہم اُس پاگل خانے کے چند مکینوں سے ملتے چلیں جن کے کرداروں کے گرد ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' کی کہانی بُنی گئی ہے۔

اِس پاگل خانے میں:

Scanned by CamScanner

۱۔ ''بعض پاگل ایسے بھی تھے جو پاگل نہیں تھے۔ان میں اکثریت ایسے قاتلوں کی تھی جن کے رشتہ داروں نے افسروں کو دے دلا کر پاگل خانے بھجوا دیا تھا کہ پھانسی سے بچ جائیں۔ یہ کچھ کچھ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کیوں تقسیم ہوا اور یہ پاکستان کیا ہے لیکن صحیح واقعات سے وہ بھی بھی بے خبر تھے۔ان کو صرف اتنا معلوم تھا کہ ایک آدمی محمد علی جناح ہے جس کو قائداعظم کہتے ہیں۔اس نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ملک بنایا ہے جس کا نام پاکستان ہے۔''

۲۔ ''ایک سِکھ پاگل نے ایک دوسرے سکھ پاگل سے پوچھا۔ 'سردار جی ہمیں ہندوستان کیوں بھیجا جا رہا ہے..... ہمیں تو وہاں کی بولی نہیں آتی'۔ دوسرا مسکرایا۔ 'مجھے تو ہندستوڑوں کی بولی آتی ہے..... ہندوستانی بڑے شیطانی آکڑا آکڑ پھرتے ہیں'.....''

۳۔ ''ایک پاگل تو پاکستان اور ہندوستان اور ہندوستان اور پاکستان کے چکر میں کچھ ایسا گرفتار ہوا کہ اور زیادہ پاگل ہوگیا۔جھاڑو دیتے دیتے ایک دن درخت پر چڑھ گیا اور ٹہنے پر بیٹھ کر دو گھنٹے مسلسل تقریر کرتا رہا جو پاکستان اور ہندوستان کے نازک مسئلے پر تھی۔سپاہیوں نے اسے نیچے اُترنے کو کہا تو وہ اور اوپر چڑھ گیا۔ ڈرایا دھمکایا گیا تو اس نے کہا..... 'میں ہندوستان میں رہنا چاہتا ہوں نہ پاکستان میں..... میں اس درخت پر ہی رہوں گا'۔''

۴۔ ''چنیوٹ کے ایک موٹے مسلمان پاگل نے جو مسلم لیگ کا

سرگرم رُکن رہ چکا تھا اور دن میں پندرہ سولہ مرتبہ نہایا کرتا تھا یک لخت یہ عادت ترک کر دی۔ اس کا نام محمد علی تھا۔ چنانچہ اس نے ایک دن اپنے جنگلے میں اعلان کر دیا کہ وہ قائداعظم محمد علی جناح ہے۔ اس کی دیکھا دیکھی ایک سکھ پاگل ماسٹر تارا سنگھ بن گیا۔ قریب تھا کہ اس جنگلے میں خون خرابہ ہو جائے مگر دونوں کو خطرناک پاگل قرار دے کر علیحدہ علیحدہ بند کر دیا گیا۔''

۵۔ ''پاگل خانے میں ایک پاگل ایسا بھی تھا جو خود کو خدا کہتا تھا۔ اس سے جب ایک روز بشن سنگھ نے پوچھا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ پاکستان میں ہے یا ہندوستان میں تو اس نے حسبِ عادت قہقہہ لگایا اور کہا۔ 'وہ پاکستان میں ہے نہ ہندوستان میں اس لیے کہ ہم نے ابھی تک حکم نہیں دیا'۔ بشن سنگھ نے اس خدا سے کئی مرتبہ بڑی منت سماجت سے کہا کہ وہ حکم دے دے تاکہ جھنجھٹ ختم ہو مگر وہ بہت مصروف تھا اس لیے کہ اُسے اور بے شمار حکم دینے تھے۔ ایک دن وہ تنگ آ کر اس پر برس پڑا۔ اوپڑدی گڑ گڑ دی اینکس دی بے دھیانا دی منگ دی دال آف واہ گورو جی دا خالصہ اینڈ واہ گورو جی کی فتح ..... جو بولے سونہال، ست سری اکال'۔ اس کا شاید یہ مطلب تھا کہ تم مسلمانوں کے خُدا ہو..... سکھوں کے خدا ہوتے تو ضرور میری سُنتے۔''

جن پاگلوں (۴ اور ۵) سے ہمارا آخر میں تعارف ہوا ہے اُن کی حرکات و سکنات سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ دماغ ماؤف ہو جانے کے باوجود بھی یہ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ایک قوم کے فرد نہیں ہیں۔ مسلمانوں کا خدا الگ ہے اور سکھوں کا خدا الگ۔ ہر دو خدا جانبدار ہیں۔ نمبر شمار ۴ میں صورتِ حال اور بھی گھمبیر ہو

Scanned by CamScanner

جاتی ہے۔ اِس پاگل خانے کا ایک مکین جب یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ محمد علی جناح ہے تو دوسرا مکین ماسٹر تارا سنگھ بن جاتا۔ انتظامیہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ وہ خون خرابے سے بچنے کی خاطر اِن دونوں کو الگ الگ کمروں میں بند کر دے۔ اِس پہ مجھے اقبال کا وہ خط یاد آتا ہے جس میں انہوں نے جناح کو لکھا تھا کہ برصغیر میں اِس وقت ایک دائمی خانہ جنگی کی فضا ہے۔ اِس خانہ جنگی کو برطانوی سامراجی قوت نے روک رکھا۔ جونہی یہ قوت رُخصت ہوئی یہ خانہ جنگی برصغیر کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک پھیل جائے گی۔ برصغیر میں امن و آشتی کی فضا پیدا کرنے کی خاطر بھی مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکتوں کا قیام ضروری ہے۔

پاکستان کا تصور، پاکستان کی تحریک اور پاکستان کا قیام تاریخی شعور اور تہذیبی وابستگی کی دین ہے۔ تاریخ و تہذیب کی انقلابی قوتوں سے آگہی کے بغیر نہ تو پاکستان کا تصور سمجھ میں آ سکتا ہے نہ پاکستان کی تحریک اور نہ ہی پاکستان کا قیام۔ پاگل خانے کے وہ مکین (نمبر شمار۔۱) جو فی الحقیقت پاگل نہیں ہیں اور جنہیں اُن کے لواحقین نے پھانسی کی سزا سے بچانے کی خاطر پاگل قرار دے کر یہاں بند کرا رکھا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کیا ہے اور کہاں ہے؟ اِن کے برعکس پاگل خانے کے وہ مکین جو عقل و خرد سے عاری اور حافظہ و تخیل سے محروم ہیں قیامِ پاکستان اُن کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ قدرتی بات ہے۔ پاکستان کا قیام بھلا پاگلوں کی سمجھ میں کیوں کر آ سکتا ہے؟ زیرِ نظر کہانی کا مرکزی کردار ایسے ہی مریضوں میں سے ایک ہے:۔

> ''ایک سکھ تھا جس کو پاگل خانے میں داخل ہوئے پندرہ برس ہو چکے تھے۔ ہر وقت کھڑا رہنے سے اس کے پاؤں سوج گئے تھے۔ پنڈلیاں بھی پھول گئی تھیں مگر اس جسمانی تکلیف کے باوجود لیٹ کر آرام نہیں کرتا تھا۔ اس سِکھ پاگل کے کیس چھدرے ہو کر بہت مختصر رہ گئے تھے، چونکہ

بہت کم نہاتا تھا اس لیے داڑھی اور سر کے بال آپس میں
جم گئے تھے جس کے باعث اس کی شکل بڑی بھیانک ہوگئی
تھی مگر آدمی بے ضرر تھا۔ پندرہ برسوں میں اس نے کبھی
کسی سے جھگڑا فساد نہیں کیا تھا۔ پاگل خانے کے جو پُرانے
ملازم تھے وہ اس کے متعلق اتنا جانتے تھے کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ
میں اس کی کئی زمینیں تھیں۔ اچھا کھاتا پیتا زمیندار تھا کہ
اچانک دماغ اُلٹ گیا۔ اس کے رشتے دار لوہے کی موٹی
موٹی زنجیروں میں اسے باندھ کر لائے اور پاگل خانے
میں داخل کرا گئے۔ اس کا نام بشن سنگھ تھا مگر سب اسے ٹوبہ
ٹیک سنگھ کہتے تھے۔ اس کی ایک لڑکی تھی جو ہر مہینے ایک انگلی
بڑھتی بڑھتی پندرہ برسوں میں جوان ہوگئی تھی۔ بشن سنگھ
اس کو پہچانتا ہی نہیں تھا۔ وہ بچی تھی جب بھی اپنے باپ کو
دیکھ کر روتی تھی، جوان ہوئی تب بھی اس کی آنکھوں سے
آنسو بہتے تھے۔''

قیامِ پاکستان کے دو تین سال بعد پاکستان اور بھارت کی حکومتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ پاگلوں کو اُس ملک میں منتقل کر دیا جائے جہاں اُن کے لواحقین نقل مکانی کر گئے ہیں تا کہ اُن کے رشتہ دار اُن سے رابطے میں رہیں۔ بشن سنگھ المعروف ٹوبہ ٹیک سنگھ ایسا کرنے سے انکار کر دیتا ہے، سرحد پر جم کر کھڑا ہو جاتا ہے اور یوں ہی کھڑے کھڑے گر کر مر جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ وارث علوی اس وحشیانہ طرزِ عمل پر تحسین و آفرین کے دونگرے برساتے ہیں اور اُن مہذب لوگوں کو پاگل قرار دیتے ہیں جو اپنے خواب و خیال کو اپنے کھیت کھلیان پر ترجیح دیتے ہوئے ہجرت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

''حقیقت یہ ہے کہ مت سب کی ماری گئی تھی۔ بہ تمام ہوش

Scanned by CamScanner

مندی لوگ اپنے آبائی گھروں کو ترک کر رہے تھے۔ وہ
اپنے جنم بھوم، اپنے پشتوں کے وطن کو چھوڑ کر اس طرح جا
رہے تھے گویا زمین کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہی نہیں رہا
تھا۔ کوئی خیال تھا۔ جو حقیقت بن رہا تھا لیکن اس کی نمود
ابھی سیمیا کی سی تھی، ایک ایسی آواز کی سی جس کی کشش پر
لوگوں کے قافلے کے قافلے عذاب میں مبتلا روحوں کی
مانند کھنچے چلے جا رہے تھے۔ مخبوط الحواس، ہراساں اور
پریشاں، راستے میں لٹتے ہوئے، خون میں نہائے
ہوئے۔''

نہیں جناب! اِن سب کی عقل جواب نہیں دے گئی تھی بلکہ یہ لوگ ایک پختہ تر شعور کے ساتھ جنوں سے کام لیتے ہوئے طلسمِ خاک سے رہا ہو کر ایک خطۂ خواب کی جانب رواں دواں تھے۔ باشعور جنوں کی اس کیفیت کو اجتماعی پاگل پن قرار دینا اور ایک ایسے پاگل کو شعور مند ٹھہرانا جو ڈھور ڈنگروں کی سطح سے بھی نیچے جا پہنچا تھا میرے لیے نا قابلِ فہم ہے۔ وارث علوی ٹوبہ ٹیک سنگھ کے طرزِ عمل کو اجاگر کرنے کی خاطر درخت کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے ہمیں بتاتے ہیں کہ ''بشن سنگھ وہ توانا درخت تھا جس کی جڑیں زمین میں پیوست تھیں''۔ درخت کا یہ استعارہ بالکل درست ہے مگر زمیں پیوستگی کی اس کیفیت کی تعریف و توصیف اور اُن باشعور دیوانوں کی خاک پر خواب کو ترجیح دینے کی مذمت درست نہیں ہے۔ تصورِ پاکستان کے خالق اقبال نے اسلام میں دینی تفکر کی نئی تشکیل کے باب میں اپنے فلسفیانہ خطبات میں یہ بات بہت زور دے کر کہی ہے کہ اسلام نے زمیں پیوستگی کے اس تصور کو انسان کے مسلسل ارتقا کی راہ میں زبردست رکاوٹ قرار دیا ہے:

"As a cultural movement Islam rejects the old

Scanned by CamScanner

static view of the universe, and reaches a dynamic view. As an emotional system of unification it recognizes the worth of the individual as such, and rejects blood-relationship as a basis of human unity. Blood-relationship is earth-rootedness. The search for a purely psychological foundation of human unity becomes possible only with the perception that all human life is spiritual in its origin. Such a perception is creative of fresh loyalties without any ceremonial to keep them alive, and makes it possible for man to emancipate himself from the earth."

اقبال پرانے سکونی تصورِ کائنات کی تردید اور ایک نئے حرکی تصورِ کائنات کے اثبات کو انسان پر اسلام کا بہت بڑا احسان تصور کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا یہ ہے کہ انسان اپنے ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں زمین سے وابستگی کو ایک اٹل حقیقت مانتا تھا مگر اب وہ ترقی کرتے کرتے اُس مقام پر آ پہنچا ہے جہاں انسانی اتحاد کی بنیاد زمین سے وابستگی نہیں بلکہ خواب و خیال کا اشتراک ہے۔ زمیں پیوستگی کے قدیم تصور کو رد کر کے اقبال نے اسلامیانِ ہند کو متحدہ ہندوستانی قومیت کی بجائے جداگانہ مسلمان قومیت کا علمبردار بنایا۔ مسلمان قومیت کا یہ تصور زمینی اشتراک کی بجائے روحانی یگانگت سے پھوٹتا ہے۔ روحانی یگانگت پر مبنی انسانی اتحاد کا تصور ایک نیا اور ترقی پسند تصور ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے قیدِ مقامی سے رہائی پا کر اپنے خوابوں کی سرزمین کی جانب ہجرت کا فیصلہ کیا تھا وہ پاگل نہیں دانشمند تھے۔ یہ دانش زمیں پیوستگی کی بجائے روحانی وابستگی کا کرشمہ تھی۔ منٹو کی

Scanned by CamScanner

زیرِ نظر کہانی کی فقط ایک ہی تعبیر ممکن ہے اور وہ یہ کہ پاکستان کا تصور، پاکستان کی تحریک اور پاکستان کا قیام بشن سنگھ جیسے پاگلوں کی سمجھ میں ہرگز نہیں آ سکتا کیونکہ یہ ایک فوق التہذیب تصور ہے اور یہ لوگ تو منجملۂ نباتات و جمادات ہیں۔

☆☆☆